ابوالعتاهیه

عباسی دور کا ایک مشہور شاعر

ڈاکٹر جمیل احمد

ابوالعتاهیه کا نام اسماعیل اور کنیت ابو اسحاق ہے، لیکن بحیثیت شاعر ابوالعتاهیه کے لقب سے مشہور ہوا۔ یہ لقب، بقول صاحب الاغانی نام پر ایسا غالب آیا کہ نام ہمیشہ کے لئے پس پردہ چلاگیا۔(۱)

ابوالعتاهیه کوفه کے مغرب میں انبار کے قریب بمقام عین التمر ۱۳۰ھ بمطابق ۷۴۸ء میں ایک حجام (سینگیاں لگانے والے) کے گھر پیدا ہوا۔ اس کے پردادا نے ایک بدوی قبیله عنزه سے موالات قائم کر لی تھی، اسی لئے ابو العتاهیه بھی مولی عنزه کہلاتا ہے۔(۲)

معلم پطرس بستانی متوفی ۱۸۸۳ء جو لبنانی عیسائی ہے، بعض متأخرین پر بغیر نام لئے تنقید کرتا ہے کہ انھوں نے بلا سند ابوالعتاهیه کو عربی النسل بتایا ہے جب کہ وہ اصلاً غیر عرب عیسائی ہے اور اس کے آباء و اجداد انبار (عراق) کے قریب عین التمر میں رہا کرتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید نے ۱۲ھ/۶۳۳ء میں عراق فتح کیا تو اس کے دادا کیسان کو جو گرفتار کر لئے گئے تھے عباد بن رفاعه عنزی کے حواله کر دیا، عنزی نے انھیں آزاد کردیا، اسی لئے کیسان موالی عنزه میں شمار ہوتا ہے۔ بستانی کو اس پر افسوس ہے کہ نکلسن اور ہوارٹ جیسے عیسائی مصنفین کی کتابوں میں بھی مسلمان متأخرین کی صدائے باز گشت سنائی دیتی ہے۔(۳) لیکن

متأخرین نے نہیں بلکہ خود محمد بن ابو العتاھیہ نے سب سے پہلے اصلاً عنزی ہونے کا دعویٰ کیا ھے -(۴)

ابوالعتاھیہ بچپن ھی سے سیماب صفت اور متلون مزاج واقع ھوا تھا اسی لئے ابوالعتاھیہ یعنی پگلا کے لقب سے نوازا گیا -(۵) ھوش سنبھالتے ھی مخنثوں کی ٹولی میں جا شریک ھوا، ان کے عادات و اطوار کا مطالعہ کیا اور ان کے روزمرہ کے الفاظ و محاورات یاد کئے -(۶) لیکن اس کے ایک ھم‌عصر شاعر ابوالشمقمق کا کہنا ھے کہ وہ مخنثوں کی ٹولی میں بچپن میں نہیں بلکہ اس وقت شریک ھوا جب کہ اس کی عمر خاصی ھو چکی تھی اور اس کی شاعری کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اس کے الفاظ صاحب الاغانی نے یوں نقل کئے ھیں :

''حدثنی ابو الشمقمق أنه رای أباالعتاھیة یحمل زاملة المخنثین، فقلت له : أمثلك یضع نفسه ھذا الموضوع مع سنك و شعرك و قدرك ؟ فقال له : أرید أن أتعلم کیادھم و أتحفظ کلامھم'' (۷)

لیکن جلد ھی ان سے اس کی طبعیت اچاٹ ھو گئی، پھر اپنے آبائی پیشہ کو اختیار کیا، مگر وہ اس کے شاعرانہ مزاج سے میل نہ کھا سکا، پھر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ چاک پر مٹی کے برتن بنانے لگا۔ وہ خود مٹکوں اور صراحیوں کی ٹوکری پیٹھ پر رکھ کر کوفہ کی گلیوں میں گاگا کر انھیں بیچا کرتا تھا -(۸) اس طرح اس نے اس پیشہ کو اپنی عمر سے ھم آھنگ کرلیا۔

ایک روز یوں ھی گاتا بجاتا اور مٹکے بیچتا چند نوجوانوں کے پاس جا پہنچا جو شعر و ادب کی محفل جمائے بیٹھے تھے۔ انھیں سلام کیا، ٹوکری

زمین پر رکھی اور یہ کہتے ہوئے شریک محفل ہو گیا کہ غالباً شعر و شاعری آپ لوگوں کا موضوع سخن ہے، اجازت ہو تو ایک مصرع کہوں، آپ لوگ اس پر گرہ لگائیں، میں دس درہم کی بازی ہارنے کو تیار ہوں۔ نوجوانوں نے ابوالعتاهیه کا مذاق اڑایا کہ کمہار بھائی کو بھی کیا دور کی سوجھی۔ پھر کہنے لگے کہ اچھا مصرع کہو۔ ابو العتاهیه نے مصرعه کہا: ساکنی الأجداث انتم

واقعی اس کی تضمین نو آموزوں کے لئے تو کیا اچھے اچھے شعراء کے لئے آسان نہیں تھی بیچارے سر پٹکتے رہ گئے لیکن کچھ بن نہ پڑا، بالآخر ہار مان لی۔ اب ابوالعتاهیه کی باری تھی۔ پہلے تو اس نے انھیں آڑے ھاتھوں لیا، پھر اپنے مصرع پر یہ گرہ لگائی: (۹)

ساکنی الأجداث انتم　　مثلنا بالأمس کنتم

لیت شعری ما صنعتم　　أ ربحتم أم خسرتم

(اے قبر کے باسیو! کل تم بھی ھماری ھی طرح تھے، اے کاش میں جان لیتا کہ تمھارا کیا حشر ھوا، آیا تم فائدے میں رہے یا گھاٹے میں۔)

یہ ایک طویل نظم ہے۔ نوجوان شرمندہ ہوئے، اس کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا اور اس کی شہرت کا ڈھنڈورا پورے کوفہ میں پیٹ دیا۔ اب اس کی دوکان طالبان شعر و ادب کا مرکز بن گئی۔(۱۰) شدہ شدہ اس کی شہرت دربار خلافت تک پہنچی اور اسے بھی درباری مشاعرہ میں شرکت کا موقع ملا جس پر بشار بن برد(۱۱) اور ابو نواس(۱۲) جیسے مشہور شاعر چھائے ہوئے تھے۔

ابوالعتاهیه کا ایک معاصر شاعر اشجع کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی،

(۱۵۸-۱۶۹ھ - ۷۷۵-۷۸۵ء) نے ایک بار دربار منعقد کیا، جب ہم سب پہنچ گئے تو خلیفہ نے ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا، حسن اتفاق سے میرے پہلو میں بشار بن برد کو جگہ ملی، بشار نے ایک آہٹ محسوس کی، اس نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا: ابو العتاھیہ۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا قصیدہ سنائے گا؟ میں نے کہا: خیال تو یہی ہے۔ اس دوران خلیفہ مہدی نے ابو العتاھیہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا قصیدہ سنائے۔ شروع شروع کے اشعار پر بشار مجھے کہنی مارتا اور چپکے چپکے اسکا مذاق اڑاتا رہا کہ کیا بے تکے اشعار ہیں، کیا دربار خلافت میں ایسے اشعار سنائے جاتے ہیں۔ لیکن جوں جوں ابو العتاھیہ آگے بڑھتا جاتا اس کا کلام بلند سے بلند تر ہوتا جاتا، یہاں تک کہ جب اس نے ذیل کے اشعار پڑھے تو بشار کے کان کھڑے ہوئے اور مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا دیکھنا، کیا خلیفہ اچھل پڑا۔(۱۳)

اشعار یہ ہیں:

اتته الخلافة منقادة   الیه تجرر أذیالها
ولم تك تصلح إلاله   ولم يك يصلح إلالها
ولو رامها أحد غيره   لز لزلت الارض زلزالها

(یعنی ممدوح کے پاس خلافت سر نیاز خم کئے ہوئے اس حال میں آئی کہ وہ اپنے دامن گھسیٹتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خلافت ممدوح کے علاوہ کسی اورکو زیب نہیں دیتی تھی اور نہ ہی ممدوح کے علاوہ کوئی اور خلافت کے لائق و سزا وار تھا۔ اگر خلیفہ مہدی کے علاوہ کوئی اور خلافت کا ارادہ کرتا تو روئے زمین پر غضب کا زلزلہ برپا ہو جاتا)

اب وہ مہدی کے دربار سے منسلک ہوگیا، لیکن اس سلسلہ میں اس کے دوست ابراھیم موصلی کی مساعی اور کوششوں(۱۴) کا ذکر نہ کرنا بڑی

زیادتی ہوگی۔ یہ ابراہیم موصلی اور اس کے شاگرد ہی تھے جنھوں نے اس کی مترنم اور پر سوز غزلیں گا گا کر اس کی شہرت کو چار چاند لگایا اور دربار تک رسائی کی راہ ہموار کی۔(۱۰) مہدی کے بعد خلیفہ ہادی کے زمانہ خلافت (۶۹ - ۱۷۰ھ - ۷۸۵ - ۷۸۶ء) میں بھی دربار میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا، لیکن ہارون رشید کے دور میں اسے جو شہرت و منزلت حاصل ہوئی وہ کم ہی خوش نصیب شعراء کو ملی ہے۔ خلیفہ اسے سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتا، ۵۰ ہزار درہم تنخواہ مقرر کردی، یہ تنخواہ ان انعامات کے علاوہ تھی جو قصیدہ پڑھنے پر خلیفہ سے اور اس کے وزراء و امراء سے ملتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں بعض امراء و وزراء نے بھی اس کی ماہانہ اور سالانہ تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔(۱۶)

ابوالعتاہیہ کا انتقال ۲۱۱ھ - ۸۲۶ء یا ۲۱۳ھ - ۸۲۸ء میں ہوا اور بغداد میں نہر عیسی کے قریب مدفون ہوا۔(۱۷) مرتے وقت خواہش ظاہر کی کہ مخارق مغنی کو بلایا جائے اور درخواست کی جائے کہ میرے سرہانے بیٹھ کر مجھے گانا سنائے۔(۱۸) اس کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ جس طرح وہ اپنی شاعری میں جدت طراز تھا اسی طرح نام رکھنے کے سلسلہ میں بھی جدت دکھائی ہے، چنانچہ ایک کا نام باللہ تھا اور دوسری کا نام للہ۔(۱۹)

شاعری: ابو العتاہیہ اپنے معاصر شعراء میں مضامین و سواد اور زبان و بیان دونوں حیثیتوں سے ممتاز و منفرد نظر آتا ہے۔ زبان کی سادگی و سلاست اور بے ساختگی کا یہ عالم ہے کہ شعر پر نثر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ وہ بڑی قادر الکلامی اور سہولت ادا کے ساتھ ہلکی بحروں میں اپنے خیالات و احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اشعار میں عوامی رجحانات بھی بڑی خوبی کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح وہ عوام کے دل میں

گھر کر لیتا ہے اور عوام کا محبوب شاعر بن جاتا ہے۔ اس وقت کے علماء و فضلاء نے، جو شوکت الفاظ کے شیدائی تھے اور شعراء متقدمین کے بندھے ٹکے اصولوں سے سر سو انحراف کو ادبی گمراھی سمجھتے تھے، بشار اور ابونواس کو ابوالعتاھیہ پر ترجیح دی ہے، لیکن عوام نے افضلیت کا سہرا اسی کے سر باندھا ہے۔ اس کی زبان سہل ممتنع کی بہترین مثال تھی۔ اس کے ہم عصر مشہور شعراء نے اس کی تقلید کرنی چاھی لیکن ناکام رہے۔ ایک دن ابو العتاھیہ ابونواس اور حسین بن ضحاک(۲۰) ایک جگہ جمع ہوئے اور طے پایا کہ ہر شخص اپنے احساسات و جذبات کو اس طرح نظم کرے کہ کہیں بھی کسی کی مدح یا ھجو کا شائبہ تک نہ آئے۔ ابو العتاھیہ نے پہل کی اور برجستہ ایک طویل غزل کہی جس کے چند اشعار یہ ھیں :

یا اخوتی ان الھوی قاتلی   فیسروا الاکفان من عاجل

عینی علی عتبة منهلة   بدمعها المنسکب المائل

یا من رأی قبلی قتیلا بکی   من شدة الوجد علی القاتل

بسطت کفی نحو کم سائلا

ماذا تردون علی السائل

(اے میرے بھائیو (دوستو !) محبت میری جان لے کر رہے گی، اس لئے جلد از جلد میرے کفن کا انتظام کرو۔ میری آنکھ عتبہ پر آنسو بہا رھی ہے، آنسوؤں کا سیلاب ہے کہ رکنے کا نام ھی نہیں لیتا۔ ہے کوئی جس نے مجھ سے قبل ایسا مقتول دیکھا ھو جس نے اپنے قاتل پر فرط شوق سے اس قدر آنسو بہائے ھوں ؟ میں نے اب دست طلب تم لوگوں کی طرف بڑھایا ہے، دیکھیں تم لوگ طالب کو کیا جواب دیتے ھو)۔

لیکن دونوں سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ ان دونوں نے یک زبان ہوکر کہا، ''اس سہولت الفاظ، اس خوبی نظم اور اس حسن کنایہ کو نبھاتے ہوئے کوئی غزل کہنے سے ہم قاصر ہیں ۔(۲۱)

ابو العتاهیه جس طرح الفاظ و معانی میں شعراء متقدمین کی روش پر نہیں چلتا اسی طرح مقررہ اوزان شعر کی پابندی بھی ضروری نہیں سمجھتا ۔ جب اس پر اعتراض کیا جاتا تو جواب دیتا : انا سبقت العروض، یا کہتا ''انا اکبر من العروض،، میں عروض سے بڑھ کر ہوں ۔ (۲۲)

بطور مثال، ذیل میں دو ایسے شعر نقل کئے جاتے ہیں جن میں اس نے عروض کی پابندی نہیں کی ہے ۔ ایک بار وہ کسی دھوبی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کی توجہ کپڑے کے دھوئے جانے کی آواز پر مبذول ہوگئی ۔ اس نے اس میں ایک نغمگی محسوس کی، ساتھ ہی یکے بعد دیگرے کپڑے دھوئے جانے سے اس کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ موت بھی دھوبی کی طرح ہے جو انسان کو یکے بعد دیگرے انتخاب کیا کرتی ہے ۔ اس نے اس نغمگی اور اس خیال کو الفاظ کا جامہ یوں پہنایا ۔

للمنون دائرات   یدرن صرفها

هن ینتقیننا   واحدا فواحدا(۲۳)

(یعنی موت کے چکر ہیں جو ہمیشہ گردش میں رہتے ہیں ۔ وہ ہمیں ایک ایک کرکے چنتے رہتے ہیں ۔)

ابو العتاهیه نے اپنی شاعری کے لئے جو موضوعات منتخب کئے ہیں ان میں دنیا کی بے ثباتی، موت کے بھیانک مناظر، مال و دولت، جاہ و منصب اور حسب و نسب سے بے نیازی، نیز توحید و رسالت اور دوزخ و جنت وغیرہ

شامل ھیں، جنھیں اس کے معاصر شعراء نے درخور اعتناء نہیں سمجھا تھا، لیکن انھی مضامین نے ابو العتاھیہ کو عربی زبان کا پہلا فلسفی اور صوفی غزل گو شاعر ھونے کا فخر عطا کر دیا ۔ لیکن عجیب بات یہ ھے کہ ان مضامین و معانی کے باوجود اس پر زندقہ کا الزام عائد کیا گیا ۔ عباسی خلیفہ ابن المعتز (۸۶۱ - ۹۰۸) کو بھی اس پر حیرت ھے ۔ لکھتا ھے : ''زھد و مواعظ، موت و محشر اور دوزخ و جنت سے متعلق کثرت اشعار کے باوجود اس پر زندقہ کا الزام لگایا گیا،، ۔(۲۴) لیکن اس پر ستم یہ کہ خود ابن المعتز نے یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ وہ مذھب ثنوی یعنی مانی کا متبع تھا ۔(۲۵) اور وہ اس لئے کہ اس نے مختلف انداز میں ایسے اشعار کہے ھیں جن کا مفہوم یہ ھے کہ نور و خیر اور ظلمت و شر کے درمیان ازل سے معرکہ آرائی چلی آرھی ھے ۔

ابن الندیم نے الفہرست میں ابو العتاھیہ کے ھم عصر زندیق شعراء کا ذکر کیا ھے لیکن ان میں ابو العتاھیہ کا نام کہیں نہیں ھے ۔ غالباً سب سے پہلے جس نے اسے زندیق قرار دیا ھے وہ منصور بن عمار واعظ ھے ۔ ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں بیان کیا ھے کہ ایک دن منصور بن عمار وعظ کہہ رھا تھا سامعین میں ابو العتاھیہ بھی تھا ۔ ابو العتاھیہ بول پڑا : منصور نے یہ وعظ فلاں کوفی کے کلام سے سرقہ کیا ھے ۔ منصور نے جواب میں کہا : یہ تو زندیق ھے، کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ موت کا تو ذکر کرتا ھے لیکن جنت و نار کے ذکر سے کتراتا ھے ۔(۲۶) ابو الفرج اصبہانی نے کسی کا نام لئے بغیر لکھا ھے کہ اس کے ھم عصر کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ان فلسفیوں کا ھمنوا ھے جو مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر یقین نہیں رکھتے ۔ ان کی دلیل یہ ھے کہ اس کے اشعار میں موت و فنا کا تو ذکر ھے لیکن حشر و نشر اور معاد کا کہیں ذکر نہیں ھے ۔(۲۷)

یہ الزام قطعاً غلط ہے، اس کے دیوان میں متعدد اشعار ایسے ملتے ہیں جو اس الزام کی نفی کرتے ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں۔

اتعصی اللہ وھو یراك جھراً   و تنسی فی غد حقاً تراہ

(کیا تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، حالانکہ وہ تمہیں خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اور کیا تم آنے والے کل کو بھلا بیٹھے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم آنے والے کل کو ضرور دیکھو گے)۔

گولڈزیہر (۱۸۵۱ - ۱۹۲۱) نے تو حد ہی کردی، وہ مندرجہ ذیل شعر سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ وہ گوتم بدھ کا مداح ہے۔

اذا اردت شریف الناس کلھم   فانظر الی ملك فی ذی مسکین

(جب تم شریف ترین انسان کو دیکھنا چاہو تو اس بادشاہ کو دیکھو جو ایک مسکین کے لباس میں ہے)

نکلسن نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو العتاھیہ کا اشارہ کسی خاص شخص کی طرف نہیں ہے وہ صرف متقی اور زاھد کا وصف کر رہا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ خلیفہ کے زھد و تقوی کی تعریف کر رہا ہے۔

ابو العتاھیہ سب سے پہلا مشرقی شاعر ہے جس نے اپنے رنگین اور تعیش پسند ماحول سے بغاوت کی اور زھد و تقویٰ اور تصوف کو موضوع سخن بنایا، لیکن اس کے یہاں تصوف کے عمیق مسائل نہیں ہیں، اس کے کلام میں وہ بالغ نظری اور وجدانی کیفیت نہیں نظر آتی جو رومی و جامی اور میر درد وغیرہ کے کلام میں ملتی ہے، بس چند مضامین و معانی ہیں جنھیں وہ اپنی منظوم تخلیقات کا موضوع بناتا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہہ

نہیں کہ اس نے جن مضامین کا انتخاب کیا ہے وہ بڑے پاکیزہ اور پر اثر حقائق ہیں اور پھر ان حقائق کو بڑی خوبصورتی اور چابک دستی سے اپنے فن میں سمویا ہے۔ اس دور کی رنگین اور قدرے فحش شاعری کو دیکھتے ہوئے یہ قابل قدر اضافہ ہے، یہی نہیں بلکہ اس کی اس جرأت نے شاعری کا ایک نیا باب کھول دیا۔ اس کے چند اشعار سنئے :

نحن فی دار یخبرنا ببلاءها ناطق لسن
دار سوء لم یدم فرح لامرئ فیها ولا حزن
فی سبیل الله أنفسنا کلنا بالموت مرتهن
کل نفس عند میتتها حظها من مالها الکفن
ان مال المرء لیس له منه الا ذکرہ الحسن

یعنی ہم سب ایک ایسے گھر (دنیا) میں ہیں جسکی آزمائشوں کی خبر ایک فصیح البیان دیتا رہتا ہے۔ دنیا ایک برا گھر ہے جہاں کسی کے لئے بھی نہ تو دائمی خوشی ہے اور نہ غم۔ ہماری جانیں اللہ کی راہ میں ہیں۔ ہم سب کے سب موت کے ہاتھ گرفتار ہیں۔ موت کے وقت ہر شخص کے حصہ میں اس کے مال میں سے بس کفن ہاتھ آئے گا۔ بیشک کسی کا مال حقیقی بس اتنا ہے کہ اسے اچھے ناموں سے یاد کیا جائے۔

ایک دوسرے قصیدے کے اشعار ہیں:۔

تعلقت بآمال طوال ای آمال
و اقبلت علی الدنیا ملحا أی اقبال
ایا هذا تجهز فراق الاهل والمال
فلا بد من الموت علی حال من الحال

یعنی تم نے نہ جانے کون کون سی لمبی امیدیں باندھ رکھی ہیں ، برابر دنیا

کی طرف بڑھتے ہی جا رہے ہو۔ اے غافل ! اہل و عیال اور مال سے جدائی کی تیاری کر، کیونکہ بہر صورت موت سے کسی طرح مفر نہیں ہے۔

غزل گوئی میں ابو العتاہیہ پورے دور عباسی کے شعراء میں ممتاز اور منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ اسکی غزلوں میں حسرت و یاس ہے، سوز و گداز ہے، خلوص و صداقت ہے، سادگی و پرکاری ہے۔ پڑھنے والے کی آنکھیں پر نم ہو جاتی ہیں، دل تڑپ اٹھتا ہے، جذبات میں آگ لگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اگر ہم اسکی اس امتیازی اور انفرادی خصوصیت کے پس منظر پر نگاہ ڈالیں اور عوامل و محرکات کا جائزہ لیں تو دو خاص باتیں نظر آئیں گی، ایک شاہی کنیز عتبہ کی محبت میں ناکامی جس نے ابو العتاہیہ کے اندر حسرت و یاس اور قنوطیت پیدا کردی اور اس کی زندگی میں زہر گھول دیا۔(٢٨) اس ناکامی و نامرادی اور حسرت و یاس نے زندگی کے متعلق اس کے فکر و نظر میں بڑی تلخی پیدا کردی تھی، لیکن اسی تلخی و مایوسی نے اس کی شاعری کو درد اور سوز و گداز بخشا۔ اس کی ایک غزل کے چند اشعار آپ بھی سنئے، شاعر کو پورا ماحول غمناک نظر آتا ہے، حتی کہ اپنی محرومی پر ہر ذی روح کو گریہ کناں پاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

من لم یذق حرق الهوی — لم یدر ما جهد البلاء
لو کنت احبس عبرتی — لوجدتها النهار ساء
کم من صدیق لی — اسارقه البکا من الحیاء
فاذا تفطن لامنی — فاقول مالی من بکاء
یا عتب، من لم یبك لی — مما لقیت من الشقاء
بکت الوحوش لرحمتی — والطیر فی جوالسماء
افما شبعت و لا رویت — من القطیعة والجفاء

(جس نے آتش عشق میں جلنے کا مزا نہیں چکھا، اسے کیا معلوم کہ عشق و محبت کیا بلا ہے۔ اگر میں نے اپنے آنسوؤں کو روک لیا ہوتا تو تم انہیں پانی کی نہروں کی صورت میں پاتے۔ میرے کتنے ہی ایسے دوست ہیں کہ میں شرم کے مارے ان سے چھپ چھپ کر روتا ہوں، پھر جب وہ تاڑ جاتے ہیں تو مجھے برا بھلا کہنے لگتے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں، میں رو نہیں رہا ہوں، مجھے رونے سے کیا سروکار! اے عتبہ! کون ہے جو میری بد بختی پر جس سے میں دو چار ہوں، نہیں رویا۔ مجھ پر ترس کھا کر آسمان رویا، زمین روئی، یہاں تک کہ جانور روئے، فضا میں پرندے تک روئے۔ کیا اب بھی ھجر و فراق اور ظلم و جفا سے تیرا جی نہیں بھرا۔)

لیکن دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے یہ ہے کہ ابو العتاھیہ ایک ایسے پست طبقہ سے تعلق رکھتا تھا جسے معاشرہ میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اب بھی دیکھا جاتا ہے۔ اس کا باپ سینگیاں لگانے کا کام کرتا تھا۔ خود ابو العتاھیہ نے اپنے بھائی کے ساتھ چاک پر مٹی کے برتن بنائے اور انہیں گلی کوچوں میں بیچا۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اس کی یہی معاشرتی پستی اس کی شاعری کے لازوال حسن کا سبب بن گئی، اس کا احساس پستی اس کے کلام کو فکر و خیال کے لحاظ سے پاکیزہ اور بلند تر کر گیا۔

ایک بار ایک کنانی شخص نے ابو العتاھیہ کو اپنی طرف کھینچا اور کنانہ کی عظمت کے گیت الاپنے لگا۔ ابو العتاھیہ نے جواب میں کتنی سچی اور فکر انگیز بات کہی جو قرآنی تعلیمات سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ سنئے:

دعني من ذكر اب و جد   و نسب يعليك سور المجد

ما الفخر الا فی التقی والزهد   و طاعة یعطیك جنان الخلد

لابد من ورد لاهل الورد   إما الی ضحل و إما عد (۲۹)

(یعنی مجھ سے باپ دادا اور اس حسب و نسب کا ذکر نہ کرو جو تمہیں شرف و مجد کی چھار دیواری پر چڑھاتا ہے۔ فخر کی بات صرف اس زهد و تقوی اور اطاعت و فرمانبرداری میں ہے جو تمہیں جنت ابدی بخشے گی۔ اهل قافله کو لامحالہ کسی نہ کسی گھاٹ پر اترنا ہی ہے خواہ وہاں پانی زیادہ ہو یا کم، یعنی بہرحال مرنا اور دوزخ یا جنت میں جانا ہے)

معاشرہ میں اس پستی کے احساس نے ابو العتاهیه کے سینہ میں ارباب جاہ و ثروت کے خلاف نفرت و انتقام کے جذبات کی آگ بھڑکا دی تھی، جن کا اظہار وہ شاعرانہ کمال کے ساتھ ہلکی پھلکی بحروں میں مواعظ و نصائح کے ذریعہ کرتا ہے۔ وہ جب موت کا بھیانک نقشہ کھینچ کر دنیا سے کنارہ کشی اور منصب و دولت سے بے نیازی اختیار کرنے کا درس دیتا ہے تو اس کا روئے سخن معاشرہ کے اعلی طبقہ کی طرف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اس پر زہد و تقوی کے اس رنگ کا ہلکا سا اثر بھی نہیں ملتا جس میں وہ سب کو بالخصوص اہل ثروت اور صاحبان منصب کو رنگنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب ابو العتاهیه نے ثمامه بن اشرس کو یہ اشعار سنائے :

اذا المرء لم یعتق من المال نفسه   تملکه المال الذی ہو مالکه

ألا إنما مالی الذی أنا منفق   و لیس لی المال الذی أنا تارکه

اذا کنت ذا مال فبادر به الذی   یحق والا استهلکته مهالکه

(جب انسان اپنے آپ کو مال کی قید سے آزاد نہیں کراتا تو وہی مال جس کا وہ مالک ہے خود اس کا مالک بن جاتا ہے، سن لو، میرا مال وہی ہے جسے

میں خرچ کرتا ہوں۔ وہ مال میرا نہیں جسے میں پیچھے چھوڑ جاؤں گا۔ جب تم صاحب مال ہو تو جلد اسے اس کے مستحق کو پہنچادو ورنہ اس کی بربادی کے مواقع اسے تباہ و برباد کر دیں گے۔)

تو شمامہ نے بڑے ادب سے اس سے پوچھا: پھر تم نے اپنے گھر میں کیوں ۲ لاکھ ۷۰ ہزار درہم چھپا رکھے ہیں؟ نہ تو ڈھنگ کا کھاتے ہو اور نہ ہی ڈھنگ کا پہنتے ہو۔ گوشت بھی خریدتے ہو تو صرف عید کے دن۔

ابو العتاھیہ نے جواب دیا: ''بات جو میں نے کہی ہے وہ تو سچ ہے، واللہ میں نے عاشورا کے دن بھی گوشت خریدا تھا اور اس کے مصالحے بھی''(۳۰)

شمامہ ھنس پڑا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

بیشک شاعر کے خیالات اور اس کی زندگی کے اطوار میں تضاد ہے، لیکن اس تضاد سے اس کے فن کی عظمت پر حرف نہیں آتا۔

ابو العتاھیہ کو روز مرہ کے محاورات اور حکم و امثال نظم کرنے پر بھی کمال حاصل تھا۔ اس نے چند ہزار پر مشتمل ایک ارجوزہ (بحر رجز میں قصیدہ) لکھا تھا جس کے ہر بیت میں یا تو کوئی محاورہ نظم کیا ہے، یا اس میں کوئی مثل یا حکمت و دانائی کی بات کہی گئی ہے۔ دو بیت آپ بھی سنئے:

الخیر والشر بھا ازواج   لذا نتاج ولذا نتاج

(خیر و شر جوڑے ہیں، اور جو کچھ ہے انہیں کی پیداوار ہے، انھیں کی پیداوار ہے)

ان الشباب و الفَراغ والجدہ   مفسدۃ للمرء ای مفسدہ

(بے شک جوانی، فراغت اور دولت انسان کے لئے فساد برپا کرنے والے ہیں

اور کس قدر فساد برپا کرتے ہیں یہ۔)

مختصر یہ کہ ابو العتاہیہ بلا کا ذہین، طباع اور پر گو شاعر تھا۔ اگرچہ وہ ایک معمولی گھرانے میں پیدا ہوا، مناسب تعلیم و تربیت سے محروم رہا، اس کے باوجود، نہ صرف یہ کہ اس نے اپنے دور کے ممتاز ترین شعراء کی صف میں ایک نمایاں جگہ حاصل کی بلکہ مشرقی شعراء کو صوفیانہ شاعری کی ایک نئی راہ دکھائی۔ اپنے پیشرو شعراء کی کورانہ تقلید کے بجائے وہ اپنے گرد و پیش کی زندگی پر ناقدانہ نظر ڈالتا ہے اور پھر اپنے دور کے تعیش پسند سماج کی تنقید کو اپنا موضوع سخن بنا لیتا ہے۔ اس کے لئے ایسے مضامین و مواد تلاش کرتا ہے جن میں اگرچہ ہم آج کوئی خاص جدت و ندرت محسوس نہیں کرتے لیکن اس دور کے پاکیزہ ذوق رکھنے والے عوام نے محسوس کیا۔ اس کے مضامین اپنے پڑھنے والوں کو حقیقت ابدی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور شاعرانہ ذوق رکھنے والوں کے لئے حقیقت ابدی حسن لازوال ہے۔

حواشی

(۱) ابو الفرج الاصبہانی : کتاب الاغانی، المؤسسة المصرية، ۴ / ۱، ابن العماد : شذرات الذهب (قاہرہ ۱۳۵۰ع) ۲ / ۲٦ /

(۲) ابن قتیبہ : الشعر و الشعراء (بیروت ۱۹٦۴ء) ٦٧۵، ابن المعتز : طبقات الشعراء (کیمبرج) ص ۱۰۵، أغانی ۴ / ۳ - ۵، ابن خلکان : وفیات الاعیان (مصر) ۱ /۱۹۸ (لیکن عین التمر کو حجاز میں مدینہ منورہ کے قریب بتایا گیا ہے)۔ شذرات الذهب ۲ / ۲۵ (عین التمر کو مدینہ منورہ کے قریب بتایاگیا ہے، الفاظ بعینہ ابن خلکان کے ہیں جو یہ ہیں : بلد بالحجاز قرب المدينة بستانی : دائرة المعارف (بیروت ۱۹٦۲ء) ۴ / ۴۴۰، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱ - ۱۰۷۹، جرجی زیدان (دارالہلال ۱۹۰۷ع) ۲ / ۴۷۔ جرجی زیدان اور انسائیکلوپیڈیا میں اس کے باپ کو کمہار بتایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا باپ حجام تھا، البتہ اس کے بھائی زید نے کمہار کا پیشہ اختیار کیا جیسا کہ ابو الفرج اصبہانی نے کتاب الاغانی میں اور بستانی نے نے دائرة المعارف میں اس کی وضاحت کی ہے۔

(۳) دائرة المعارف ۴ / ۴۴۰ (الفاظ یہ ہیں: وقد خال له بعض المتأخرين، دون سند وثيق، نسباً عربياصريحا ، تردد صداه في مؤلفي نكلسون و هوار فی تاریخ الآداب العربية)

(۴) أغانی ۴/۳

(۵) شذرات الذھب ۲-۲۹، دائرۃ المعارف ۴/۱۴۴

(۶) شذرات الذھب ۹۲/بحوالہ شرح الشواھد از شریف عباسی، جرجی زیدان ۲/۷۳

(۷) أغانی ۴/۷

(۸) الشعر و الشعراء ۱ / ۶۷۵، أغانی ۴ / ۸ - ۹، وفیات الاعیان ۱ / ۱۹۸، دائرۃ المعارف (بستانی) ۴ / ۴۴۰، جرجی زیدان ۲ / ۷۴

(۹) دائرۃ المعارف ۴ / ۱۴۴، جرجی زیدان ۲ - ۷۴

(۱۰) دائرۃ المعارف ۴ / ۱۴۴، جرجی زیدان ۲ / ۷۴

(۱۱) عباسی دو ر کے شعراء میں بشار وھی مقام رکھتا ہے جو امرؤ القیس کا شعراء جاھلیت میں ہے۔ اس کا باپ ایرانی النسل تھا، اسے مھلب بن ابو صفرہ نے گرفتار کرکے قبیلہ بنو عقیل کے ایک خاندان کو دیدیا، اسی خاندان کی ایک خاتون کے بطن سے بصرہ میں پیدا ھوا، وھیں اس کی نشوونما عربی طرز پر ھوئی، اس کی زبان نہایت شستہ، فصیح اور غلطیوں سے مبرا تھی۔ مادرزاد اندھا، لحیم و شحیم اور کریہہ المنظر تھا، لوگ اسکا مذاق اڑاتے اور وہ بھی لوگوں کا مذاق اڑاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسنے اپنی شاعری کا آغاز ھجو گوئی سے کیا۔ بقول احمد حسن زیات، اس نے شاعری کو خشک اور تنے ھوئے خیموں سے نکال کر سرسبز باغوں اور بلند محلوں اور خوشنما مناظر میں منتقل کردیا۔ سنہ ۱۶۷ھ - ۷۸۳ء میں ۷۰ کوڑوں کی سزادی گئی، ضربوں کی تاب نہیں لاسکا اور دم توڑ دیا۔

(۱۲) ابو نواس کا نام حسن بن ھانی ہے، اھواز میں پیدا ھوا، باپ کے مرنے پر چھوٹی عمر میں ھی اپنی ماں کے ساتھ بصرہ آیا اور ایک عطار کی دوکان پر ملازم ھوگیا، لیکن یہ ملازمت علم و ادب سے اس کی توجہ نہیں ھٹا سکی، علماء و ادباء کی علمی محفلوں میں شریک ھوتا اور نظمیں پڑھتا۔ دھیرے دھیرے اس کی شاعرانہ شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ جب خلیفہ ھارون رشید نے اس کی شہرت سنی تو اسے اپنا مقرب بنالیا، وھاں وہ خلیفہ، برامکہ اور دوسرے امراء کی مدح کرتا تھا۔

ابو نواس نے شاعری کی ھر صنف میں سخن آزمائی کی ہے۔ اس کے دیوان میں، جو مختلف انداز سے ترتیب پاکر کئی بار چھپ چکا ہے، خمریات طردیات (شکاریات) غزل المؤنث، غزل المذکر، مدح، ھجو، مرثیہ اور زھدیات شامل ھیں۔ لیکن اس کی خاص چیز خمریات اور وصف غلمان ہے۔ خلیفہ مامون اور ناقدین شعر و ادب ابونواس کو تمام شعراء عباسی پر ترجیح دیتے ھیں۔ اور بعض ناقدین نے تو اسے تمام شعرائے عرب پر ترجیح دیا ہے۔

(۱۳) اغانی ۴ / ۳۳ - ۳۴، مقدمہ ابن عبداللہ بردیوان ابو العتاھیہ، (طبع منیریہ، قاھرہ)، وفیات الاعیان ۱ / ۲۰۰، دائرۃ المعارف ۴ / ۱۴۴، جرجی زیدان ۲ / ۷۴، ابو العتاھیہ از شکری فیصل ۳۳ - ۳۴

(۱۴) عرب کے مشھور ترین مغنیوں اور موسیقاروں میں شمار ھوتا ہے۔ اصلاً و نسلاً ایرانی ہے۔ کوفہ میں ۷۴۲ء میں پیدا ھوا اور بغداد میں ۸۰۴ ء میں انتقال کیا۔ اسے مھدی، ھادی اور ھارون رشید کے ندیم ھونے کا فخر حاصل تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اسحاق موصلی کو غناء اور موسیقی میں وھی شہرت حاصل ھوئی جو ابراھیم موصلی کو ھوئی۔

(١٥) ملاحظه هو دائرة المعارف ۴ / ۱۱۴

(١٦) جرجی زیدان ۲ / ۵٧

(١٧) البیان و التبیین ۲ / ۳٧ کے حاشیه پر حسن سند وبی نے ۲۱۳ھ بتایا ہے، وفیات الاعیان ۱/ ۲۰۰ اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱/ ۹٧ میں دونوں تاریخیں ہیں، شذرات الذهب ۲/ ۲۵ اور جرجی زیدان ۲/ ۵٧ میں ۲۱۱ھ ہے۔

(١٨) اغانی ۴/ ۹، ۱۰، وفیات الاعیان ۱/ ۳۰۰۔

(١٩) الشعر و الشعراء ۱/ ۹٧۵، طبقات الشعراء ص ۱۰۵۔

(٢٠) دور عباسی کا ایک ظریف شاعر ہے، امین مامون، معتصم اور دیگر خلفاء کے دربار سے منسلک رہا۔ ۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

(٢١) مقدمه ابن عبد البر بردیوان ابو العتاهیه، ابو العتاهیه از شکری فیصل ۳۲-۳۳

(٢٢) الشعر و الشعراء ۱/ ٧٦٦، طبقات الشعراء ص ۱۰٦، اغانی ۴/ ۱۳، دائرة المعارف ۴/ ۴۴۱، جرجی زیدان ۲/ ۵٧ - ٧٦، مقدمه ابن عبدالبر، ابو العتاهیه ۳۴۔

(٢٣) الشعر و الشعراء ۱/ ٧٦٦، طبقات الشعراء از ابن المعتز ۱۰٦، جرجی زیدان ۲/ ۵٧

(٢٤) طبقات الشعراء ص ۱۰۵

(٢٥) ایضاً

(٢٦) جامع بیان العلم ۲/ ۱۵۰ باب حکم قول العلماء بعضهم فی بعض

(٢٧) اغانی ۴/ ۲

(٢٨) اس کی ناکام محبت کی تفصیلات کے لئے ملاحظه هو البیان و التبیین ۲ - ۲۹۹، الشعر و الشعراء ۱ - ۲۹۹، طبقات الشعراء ۱۰۵ - ۱۰٧، اغانی۔

(٢٩) اغانی ۴/ ۵، دائرة المعارف ۴/ ۴۴۱

(٣٠) اغانی ۴/ ۱۵ - ۱٦

— ★ —